مطالعہ اسلامیات کی تنظیمِ جدید

(شبیر احمد خان غوری۔ ایم۔ اے، ایل ایل بی۔ سابق رجسٹرار امتحانات عربی وفارسی یوپی)

اسلامیات کا مفہوم اور اسی طرح اس کا مصداق معلوم ہے اور ان کی وضاحت کے لئے کسی رسمی تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ قدیم تعلیم یافتہ حضرات میں یہ شعبۂ علم "علوم اسلامیہ" کے نام سے موسوم ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں "اسلامک اسٹڈیز" کے نام سے۔ اصولی طور پر دونوں کو عین یکدیگر ہونا چاہیئے مگر واقعات نے انھیں دو ممتاز شعبے بنا دیا ہے۔

"علوم اسلامیہ" جن کی درس گاہیں آج بھی برصغیر میں "مدارسِ عربیہ" کے نام سے مشہور ہیں، قدیم اسلامی نظامِ تعلیم کا تسلسل ہیں، جس میں زمانہ کے بدلتے ہوئے غیر شعوری تغیرات کے پیشِ نظر نہایت خاموشی سے مگر مستقل طور پر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں چنانچہ آج کسی بڑی سے بڑی دینی درس گاہ کو بھی حتیٰ کہ اگر وہاں حدیث کی تعلیم کو بھی اوّلین حیثیت حاصل ہو، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسجد نبوی کے مماثل ہے۔ پھر بھی اس حقیقت سے کسی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہے یہ اُسی کا تسلسل۔

اس کے برعکس یونیورسٹیوں میں "اسلامک اسٹڈیز" کی تعلیم اور انجام کاران کے مستقل شعبوں کا قیام یورپ کی جامعات کی تقلید ہے۔ اگرچہ ان مقلدوں کے پیشِ نظر وہ مقاصد نہیں ہیں جو مستشرقین اس نظامِ تعلیم سے اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اور چوں کہ ایک جانب عقیدت مندی اور خوش فہمی کی افراط ان شعبوں کے سربراہوں کو اپنے یورپی اساتذہ کے مقاصد (جو اکثر حالات میں "مقاصدِ مشؤمہ" کا مصداق رہے ہیں) کی تحقیق اور اس تحقیق کے نتیجے میں اُن کی پردہ دری سے مانع ہے اور دوسری جانب حمیتِ قومی اور غیرتِ ملّی اُن "مقاصدِ مشؤمہ" کے اتباع اور اُس کے نتیجے میں قوم فروشی کی اجازت نہیں دی، اس لئے یہ ہمارے جامعی نظامِ تعلیم کا ایک بالکل۔ بے مقصدی شعبہ بن کر رہ گیا ہے۔ اگرچہ حکومت ہر جگہ ان کی تنظیم اور نگہداشت پر اُسی فراخدلی سے صرفہ کرتی ہے، جس طرح

تعلیم کے دوسرے شعبوں پر، مگر نتیجہ صفر ہی رہتا ہے۔ کیوں کہ اساتذہ کے پیشِ نظر اپنی ملازمت برقرار رکھنے سے بلند تر اور کوئی مقصد تعلیم نہیں ہوتا۔ لیکن اس مسئلہ کا ایک پہلو موجبِ اطمینان بھی ہے: وہ یورپی مستشرقین کی کتنی ہی کورانہ تقلید پہ مصر کیوں نہ ہوں، کم از کم غیرتِ قومی اور حمیتِ ملّی اُن میں اس درجہ مردہ نہیں ہو جاتی کہ "منہاجِ تعلیم" کے ساتھ ساتھ وہ اُس "مقصدِ تعلیم" کو بھی اپنا لیں جو مغربی استعمار کی دسیسہ کاریوں کے پیشِ نظر رہا ہے۔

پھر طبیعیات کے اساتذہ و تلامذہ کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایٹمی توانائی کو زیادہ سے زیادہ پُرامن مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے قابل ہو جائیں یا جوہری بم بنا کر اپنے ملک کی دفاعی طاقت میں اضافہ کریں، اقتصادیات کے طلبہ کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ اقتصادی قوانین میں تبحر حاصل کر کے اپنے ملک کی اقتصادی خوش حالی کی ترقی میں خدماتِ شائستہ انجام دیں۔ اسی طرح ہر شعبۂ تعلیم کا حال ہے۔ حتےٰ کہ قدیم مدارسِ عربیہ کے طالب علموں کے پیشِ نظر کم از کم اتنی بات تو ضرور ہی رہتی ہے کہ اسلام کی بتائی ہوئی شاہراہِ عمل پر گامزن ہو کر دنیا اور عقبیٰ کی زندگی کو صلاح و تقویٰ سے آراستہ کریں تاکہ یہ دنیا جیسی بھی گزرے آنے والی زندگی میں تو اپنے پروردگار کے سامنے سرخرو ہو کر جائیں اور آخرت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوں۔

مگر شعبہ اسلامیات کے طلبہ ہوں یا اساتذہ، اُن کے پیشِ نظر کوئی مقصد نہیں ہوتا؛ اُخروی زندگی کی کامیابی اور فلاح و بہبود کا تصور نام نہاد "سیکولرزم" کے تقاضوں کے ساتھ کسی طرح ہم آہنگ ہو ہی نہیں سکتا، رہی دنیوی زندگی کے خوب سے خوب تر بنانے میں اس کی استعانت، تو نہ تو یہ لوگ اپنے یورپی پیشواؤں کی تقلید میں اسے اسلام اور عالمِ اسلام کی کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ذریعہ بنانے اور اس طرح انہیں کمزور تر کرنے کا تصور کر سکتے ہیں (اس سے اُن کی قومی غیرت مانع ہے) اور نہ ان کمزوریوں کی تلافی کا کوئی واضح اور قابلِ عمل پروگرام ہی بنا سکتے ہیں۔ خود مدبرینِ ممالک اور ماہرینِ تعلیمات نے اس مسئلہ پر ہنوز سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔

یورپ میں السنہ شرقیہ کے ساتھ اعتناء کے سلسلے میں مستشرقین کی علمی و تحقیقی سرگرمیاں عرصہ سے جاری ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان مستشرقین میں اب اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف نہ وہ عناد پایا جاتا ہے، نہ ان کی تحریروں میں وہ زہر افشانی ہے جو صلیبی عہد کے علماءِ یورپ کا طرۂ امتیاز تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سنجیدہ محققین کی علم دوستی اور حق پسندی کا نتیجہ ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ یہ یورپ کے اُن باغی شاگردوں کی بغاوت کا ردِّ عمل ہے، جس کے ساتھ ان سرپھرے تلامذہ نے اصل مآخذ و مصادر سے مراجعہ کے بعد اپنے اساتذہ کرام

کی دسیسہ کاریوں کو بے نقاب کر دیا۔ اس لئے مصلحت بینی و مصلحت کوشی کا تقاضا ہے کہ "کتمانِ حق" پر "اظہار و اعتراف حق" کی ترجیح کی "ٹیکنیک" کو اختیار کیا جائے۔ حالاں کہ آج بھی اس کی پیش کش میں کسی بھی موقع سے فائدہ اُٹھانے کے اندر کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی جاتی۔

بہرحال یہ صورتِ حال ہے "اسلامک اسٹڈیز" کی سرگرمیوں کی۔ جہاں تک یورپی جامعات کا تعلق ہے، ہمیں نہ اس کے خلاف شکوہ سنجی کا حق ہے (کیوں کہ اُن کے مصالح کا صحیح یا غلط مقتضا یہی ہے) اور نہ ہمیں اس کی اصلاح کا اختیار۔ البتہ مشرقی ممالک میں اس کی اصلاح ہو سکتی ہے، بلکہ قومی و ملّی فریضہ کی حیثیت سے واجب ہے اور اس کے لئے ہمارے مدبرین ممالک، ماہرینِ تعلیمات اور دوسرے اربابِ فکر و نظر با اختیار بھی ہیں۔

اس وقت کیفیت یہ ہے کہ یا تو ہماری جامعات میں "اسلامک اسٹڈیز" کا نظام (بشمول نصاب و منہاج تعلیم) یورپی انداز پر استوار کیا گیا ہے، یا پھر عربی مدارس کے کچھ شعبوں بالخصوص اُن شعبوں کی جو علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس سے متعلق ہیں، جدید نظامِ تعلیم میں قلمکاری کی جا رہی ہے، اور اس طرح جو نیا شعبہ ظہور میں آتا ہے، اُس کی سربراہی یا تو "اہل العمائم" کو تفویض کر دی جاتی ہے، جو یونیورسٹی کے احاطہ (CAMPUS) میں ایک چھوٹا سا (NUCLEAR) مدرسہ قائم کر دیتے ہیں، یا پھر انتظامی سربراہی علوم جدیدہ کے کسی روشن خیال فاضل کے سپرد کر دی جاتی ہے، جو تعلیمی فرائض کی انجام دہی کچھ "اہل العمائم" سے اور کچھ جدید تعلیم یافتہ فضلائے سے کراتا ہے۔ رہی "مقصدیت" تو دونوں صورتوں میں "بے مقصدی پن" کا مصداق رہتی ہے۔ نصاب، ٹیکنیک، اور منہاج یا تو وہی فرسودہ "مدرسی" رہتے ہیں، جو اپنے یہاں مفید ہوں تو ہوں، مگر یونی ورسٹیوں کے احاطہ (CAMPUS) کے اندر ایک مضحکہ خیز تماشا بنے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یا پھر ایک قسم کی معجون مرکب ہوتا ہے جس میں "طرفگی" تو بہت کچھ ہوتی ہے مگر نہیں ہوتا تو "اسلامی پن"۔

لیکن یہ کوئی پسندیدہ صورتِ حال نہیں ہے اور ضرورت ہے کہ اربابِ فکر و نظر بالخصوص یونیورسٹیوں کے ماہرینِ تعلیم جو نہ صرف نظامِ تعلیم، بلکہ پورے معاشرے کی اسلامی تصورات و اقدارِ حیات پر تعمیرِ نو کرنا چاہتے ہیں، اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور فرمائیں، اس سلسلے میں ایک بلند تر اور مقدس تر مقصد کو اپنا نصب العین ٹھہرائیں، اور اس مقصدِ جلیل کے لئے نصاب اور منہاج کی از سرِ نو تشکیل کریں۔

جہاں تک "اسلامیات" کی تعلیم کے مقصد کا تعلق ہے، اس باب میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ اس کا

مقصد انفرادی طور پر اصلاحِ معاش و معاد ہے اور اجتماعی طور پر اعلائے کلمۃ الحق۔ لیکن کیوں کہ ان مقاصد جلیلہ کے تحقق کے مناہج مختلف ہو سکتے ہیں اور زمان و مکان کے اختلاف کے ساتھ ان مناہج کی تعین و تشکیلِ جدید میں وقتی ضروریات کا مؤثر ہونا بھی فطری ہے، اس لئے نہ تو کسی بندھے ٹکے اندازِ تعلیم پر اصرار مستحسن ہے اور نہ کسی روایتی نصاب پر (جو اپنے وقت میں ضرور مفید رہا ہوگا، مگر زمانہ کے بدلتے ہوئے رجحانات و میلانات کے پیشِ نظر اس کا اپنی افادیت کھو دینا ایک قدرتی امر ہے)۔ لہٰذا اندازِ تعلیم اور اس سے زیادہ نصاب کی تشکیلِ جدید کے لئے ہمیں مقصدِ تعلیم کو "رہنما اُصول" بناتے ہوئے اس پر وقتاً فوقتاً نظرِ ثانی کرنا ضروری ہے، اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہمارا ایک شان دار اور تابناک ثقافتی ماضی رہا ہے، جس سے دست بردار ہونا اپنی قومی و ملّی شخصیت سے دست بردار ہونا ہے۔ بے شک ہمارے قومی ورثہ کا بہت بڑا عنصر آج کی دنیا میں صرف تاریخی اہمیت کا حامل رہ گیا ہے اور اپنی افادیت کا بیشتر حصہ کھو چکا ہے۔ مگر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قوموں کے مستقبل کی استوار اور دیرپا تعمیر اُن کے ماضی ہی پر ممکن ہے۔ اپنے ماضی سے بیگانہ ہو کر غیروں کے "حال" پر اُس کی تاسیس نہ صرف قومی غیرت و حمیت کے فقدان کی دلیل ہے، بلکہ اپنے قومی وجود کی بقا کے لئے بھی مہلک ہے۔

بہرکیف "مطالعہ اسلامیات کی تنظیم جدید" میں سب سے اہم مسئلہ اس کے نصاب کا ہے۔ یہاں ان نزاعوں اور بحثوں کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے جو اس سلسلے میں ہمارے مفکرین و مصلحین اور تعلیمات کے قدیم اور جدید ماہرین کے درمیان گرمی مناظرہ کا موضوع رہی ہیں۔ ہمیں نمونہ کے لئے ایک قابلِ عمل نصاب مرتب کرنا ہے مگر اس فراخدلی کے ساتھ کہ نہ صرف آئندہ، بلکہ اس وقت بھی اگر ضرورت داعی ہو تو یہ اربابِ فکر و نظر کی اصلاح و ترمیم کا موضوع بن سکتا ہے۔ اسی جذبے کے ماتحت ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔
اس غرض سے مروجہ نصابوں میں سے ایک نصاب کو آئندہ ترتیب نصاب کی اساس بنانا مستحسن معلوم ہوتا ہے اور میرے خیال میں اس کام کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے نصاب کو پیشِ نظر رکھنا مناسب ہے۔

دوسری یونی ورسٹیوں کی طرح علی گڑھ کی جامعی تعلیم بھی تین منزلوں میں منقسم ہے: بی اے، ایم اے اور ریسرچ (یا ڈاکٹریٹ)، ان میں سے مرکزی اہمیت ایم اے کے نصاب کو حاصل ہے۔ بی اے کا نصاب گویا اس کے لئے ایک طرح کی تیاری ہے اور ڈاکٹریٹ کے لئے کسی خصوصی موضوع پر تحقیقی کاوش ایک

طرح کا تکملہ۔

ایم اے کی مدتِ تعلیم دو سال ہے۔ ہر سال کے اختتام پر ایک یونیورسٹی امتحان ہوتا ہے۔ ہر امتحان میں چار چار پرچے ہوتے ہیں اور ہر پرچہ کی تیاری کے لئے ایک نصاب ہے جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

پریولیس میں چار پرچے ہیں اور سوائے پہلے پرچہ کے باقی تینوں لازمی ہیں۔

پہلا پرچہ ابتدائی عربی کا ہوتا ہے۔ مگر جو امیدوار عربی سے واقف ہوتے ہیں انہیں ابتدائی عربی کے بجائے "تاریخ ادب عربی" کا مضمون لینا ہوتا ہے۔

دوسرا پرچہ عربوں کی ثقافتی تاریخ کا ہوتا ہے، جس کا زمانہ بعثتِ اسلام سے لے کر سقوطِ بغداد (۶۵۶ھ یا ۱۲۵۶ء) تک ہے۔ بعثتِ اسلام کے پسِ منظر کے طور پر "عرب جاہلیۃ" کی تاریخ کا بھی تعارف کرا دیا جاتا ہے۔

تیسرا اور چوتھا پرچہ سقوطِ بغداد سے لے کر سترھویں، اٹھارویں صدی مسیحی تک کی اسلامی دنیا کی سیاسی و معاشرتی تاریخ پر ہیں: چوتھا پرچہ ہندوستان کی تاریخ پر اور تیسرا پرچہ "مغربی ایشیا" (باستثنائے عرب ممالک کی تاریخ پر، موخر الذکر (یعنی تیسرا پرچہ) تین حصوں پر مشتمل ہے: وسط ایشیا کی تاریخ، ایران کی تاریخ اور ترکی کی تاریخ۔

فائن میں بھی چار پرچے ہوتے ہیں، جنہیں سات پرچوں میں سے منتخب کرنا ہوتا ہے۔ یہ سات پرچے حسبِ ذیل ہیں:۔

۱ :۔ ابتدائی عربی؛ اُن طلبہ کے لئے جنہیں پریولیس میں پہلے پرچہ کے اندر ابتدائی عربی کا مضمون لینے کی اجازت ملی تھی۔

۲ :۔ اسلامی دینیات (علم الکلام نیز دیگر علوم دینیہ) اور فقہ کا ارتقاء (DEVELOPMENT)

۳ :۔ اسلامی فلسفہ اور عرفانیات (تصوف) کا ارتقاء۔

۴ :۔ اسلامی سیاسی افکار اور ادارے۔ ۵ :۔ عربوں کی تاریخ نگاری اور جغرافیا نویسی۔

۶ :۔ مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے معاصر واقعات (حالیہ تحریکوں اور موجودہ تاریخ) کا اجمالی جائزہ۔

۷ :۔ اسلامیات سے متعلق کسی موضوع پر ایک مقالہ یا مضمون۔

اس نصاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ

اوّلاً :۔ اس کے لئے عربی زبان سے واقفیت شرط ہے۔ اگر طالب علم عربی سے واقف نہیں ہے تو اُس

کے لئے دو سال تک عربی پڑھنا اور اُس سے فی الجملہ آشنائی بہم پہونچانا ضروری ہے اور اگر واقف ہے تو اُسے عربی ادب کی تاریخ سے مزید واقفیت حاصل کرنا ہے۔

ثانیاً، نصاب کی دو جماعتوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے:۔

(الف) اسلام کے ماضی کی (سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور علمی وادبی) تاریخ۔

(ب) موجودہ اسلامی ممالک کی سیاسی و اقتصادی حالت کا جائزہ (جس کا نمونہ فائنل کے چھٹے پرچہ میں ملتا ہے)

نصاب کے یہ دونوں اجزاء مفید ہیں کیوں کہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ایک پائدار اور مفید نظام کی تعمیر ایک شاندار ماضی ہی پر ممکن ہے، اور اس تعمیری فریضہ سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کے لئے ماضی کے جملہ کارناموں سے واقفیت شرطِ اولین ہے۔

اسی طرح ایک پائدار دنیائے اسلام کی تشکیل کے لئے جو دنیا کی امن و آشتی کی واحد ضمانت ہے،—— اُس کے اجزاء مؤلفہ سے واقفیت ناگزیر ہے۔ لیکن ہمیں دولِ یورپ کی طرح اُن کی کمزوریوں کو تلاش کر کے کسی استعماری مقصد کے لئے استعمال کرنا نہیں ہے۔ ہمیں تو خدا پرستوں کے خاندان کے مختلف گھروں میں تعاون پیدا کرنے کے لئے اُن کی مختلف صلاحیتوں کا جائزہ لینا ہے تاکہ اِن اجزاء کی تالیفِ جدید سے ایک ایسی پائدار "تیسری قوت" وجود میں آسکے جو مشرق و مغرب کے تصادم میں ایک فیصلہ کن عامل یا (DECIDING FACTOR) ثابت ہو سکے اور جس کے ذریعے حکیم مشرق کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے ۔۔۔ نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

نہیں بلکہ ہمارے پیشِ نظر اس سے بھی ایک وسیع تر دنیا ہے جس کے ڈانڈے خود مشرق و مغرب کے ساتھ منطبق ہیں اور جس کے حدود انڈونیشیا کے مشرقی ساحل سے لے کر مراکش اور نائیجیریا کے مغربی ساحل تک ممتد ہوں گے (بلکہ ہیں)۔

اس غرض سے ہمیں اسلامیات کے مجوزہ نصاب کی جماعت بندی دو ذیلی شعبوں میں کرنا ہوگی:۔

الف:۔ اُمتِ مسلمہ کی قدیم سیاسی و معاشرتی اور ثقافتی و علمی سرگرمیوں کی تاریخ۔

ب:۔ جدید دنیائے اسلام کی سیاسی، اقتصادی، بین الاقوامی اور فکری سرگرمیوں کا جائزہ۔

مدت تعلیم دو سال ہوگی۔ ہر سال کے اختتام پر یونیورسٹی امتحان ہونا چاہیئے۔ ہر امتحان میں چار پرچے ہوں گے۔

(۱) پریویس میں حسبِ ذیل چار پرچے ہوں گے:۔

پہلا پرچہ :- عربی زبان کے مبادی ۔

اس پرچہ کا معیار اتنا ہونا چاہیئے کہ طالب علم عربی زبان کی قدیم و جدید تصانیف سے فی الجملہ مراجعہ کر سکے ۔ پرچہ تین حصوں میں منقسم ہونا چاہیئے ۔

ٹیکسٹ : اس میں قدیم کلاسیکل عربی کے ساتھ جدید اور مروجہ عربی کے بھی انتخابات مشمول ہونا چاہئیں ۔

قواعد عربی : صرف و نحو کے مبادی سے فی الجملہ آشنائی ۔

عربی ترجمہ : جس کا مقصد طلبہ کو عربی زبان میں ، جو ہماری بین الملّی زبان ہے اظہار ما فی الضمیر کیلئے تیار کرنا ہے ۔

تفصیلی نصاب متعلق اُستاد کے مشورے سے مرتب کیا جانا چاہیئے ۔

دوسرا پرچہ :- اسلامی دینیات (قرآن ، حدیث ، فقہ اور عقائد و کلام)

قرآن کے ضمن میں پارہ عم اور پنج سورہ قسم کا ایک انتخاب ۔

حدیث کے ضمن میں فقہی اختلافات اور علمی موشگافیوں کے بجائے اس بات کو " رہنما اصول " بنانا چاہیئے کہ اس کا مقصد اصلاحِ معاش و معاد اور انسان کو انسان بنانا ہے ۔

فقہ میں کوئی مستند متن اصل عربی کے اندر یا اُس کا ترجمہ داخلِ نصاب ہونا چاہیئے ۔ اور چوں کہ فقہ کا مقصد ایک جامع اور ہمہ گیر دستورِ حیات فراہم کرنا ہے ، اس لئے مجوزہ متن کو "عبادات" و "مناکحات" کے ساتھ "معاملات" اور "انتظامیات" پر بھی مشتمل ہونا چاہیئے ۔ کیا اچھا ہو اگر اُستاد "گھاس سی کاٹنے" کے بجائے دورانِ تدریس میں ان "معاملات" اور "انتظامیات" کے تحت میں آنے والی ابحاث کے جدید اور مروجہ "نظائر" کی طرف بھی اشارہ کرتا جائے تاکہ طلبہ میں فقہ کے آخری ابواب پڑھنے کے دَوران میں بے کیفی کے بجائے دلچسپی برقرار رہے ۔

عقائد و کلام میں بھی کوئی مستند متن داخل درس رہنا چاہیئے ۔ پہلی منزل میں اُسے قیل و قال کا موضوع بنانے کے بجائے ایک تسلیم شدہ اور واجب الاحترام "آئیڈیالوجی" کی حیثیت سے تعلیم دینا چاہیئے ۔ کلامی قیل و قال کو آئندہ منزل تک کے لئے ملتوی رکھنا چاہیئے ۔

تیسرا پرچہ : بعثت سے لے کر انقلابِ فرانس تک (جو دنیا کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے) عالم اسلام کی سیاسی تاریخ ۔

چوتھا پرچہ : بعثت سے لے کر انقلابِ فرانس تک عالمِ اسلام کی معاشرتی و ثقافتی تاریخ ۔

دونوں پرچوں کے دو دو جز ہوں گے ، پہلا جز ابتداء سے لے کر سقوطِ بغداد تک کی تاریخ پر ، اور دوسرا

جز سقوطِ بغداد سے انقلابِ فرانس تک کی تاریخ پر مشتمل ہونا چاہیئے ۔

(۲) فائنل میں تخصص (SPECIALIZATION) ہونا چاہیئے اور نصاب دو جماعتوں میں تقسیم ہو تاکہ طلبہ کو اختیار ہو کہ وہ علومِ اسلامیہ کی ثقافتی تاریخ میں تخصص کریں یا کسی اسلامی علاقہ کا مطالعہ کریں۔

(الف) علومِ اسلامیہ

علومِ اسلامیہ دو ذیلی جماعتوں میں منقسم ہیں؛ منقولات اور معقولات۔ طالب علم ان میں سے ایک ذیلی جماعت لے سکتا ہے:۔ اوّل: منقولات: تین پرچے ہوں گے ۔

۱۔ علومِ دینیہ؛ قرآن وتفسیرِ قرآن، حدیث و رجال، فقہ و اُصولِ فقہ، عقائد و کلام ۔

اس منزل میں طلبہ کو کسی تفسیر سے (مثلاً مدارک التنزیل سے) آشنا کرا دینا چاہیئے، نیز تاریخ تفسیرِ علومِ قرآن اور علماء اسلام کی تفسیری سرگرمیوں کے اجمالی جائزے سے بھی وہ واقف ہو جائیں ۔

حدیث کی اہمیت ظاہر ہے اس میں "رجال" کی اہمیت کا اضافہ اور کر لینا چاہیئے جو ہماری تاریخی ذمہ داری کے احساس کا قابلِ فخر شاہکار ہے۔ اس سلسلہ میں پر یولیس کے کام کو زیادہ منظم اور مبسوط طور پر آگے بڑھانا چاہیئے ۔

فقہ کے سلسلے میں اگر ممکن ہو سکے تو اُس کا مروجہ قوانین کے ساتھ تقابلی مطالعہ کرایا جائے یا کم از کم طلبہ میں اس کی تیاری کے لئے صلاحیت پیدا کی جائے۔ فقہی اجتہاد کا دروازہ کھولنے یا نہ کھولنے کی بیکار نزاع کا آغاز کرنے کے بجائے ہمیں اس امر پر زور دینا ہے کہ یہ اسلامی عبقریت کا عظیم الشان کارنامہ ہے جسے ہمارے اسلاف نے قرآن و حدیث سے براہِ راست اخذ کیا تھا اور جس کی تاویل و توجیہ میں اُنھوں نے ذاتی نفسانیت، حکمران طبقہ کی باطل خواجگی اور اہلِ غرض طبقہ (VESTED INTEREST) کی اقتصادی دست برد کے لئے وجہ جواز بہم پہونچانے کے بجائے فطری عدل و انصاف، حریتِ نفس، انسانی مساوات اور بشری اخوت کے اُصولوں کو ملحوظ رکھا ہے ۔

اس منزل میں طلبہ کو اُصولِ فقہ سے بھی فی الجملہ آشنا کر دیا جائے۔ مبسوط کتاب کے بجائے کوئی مختصر متن مثلاً المنار یا حسامی ہی اُن کی نظر سے گزر جائے تو بڑا اچھا ہو۔

عقائد و کلام کے ضمن میں اگر وقت مساعدت کرے تو کلام کا کوئی متن مثلاً "طوالع الانوار" داخلِ درس کر دیا جائے تاکہ طلبہ کم از کم اہم کلامی مباحث ہی سے واقف ہو جائیں۔

۲: علوم ادبیہ:- عربی نثر و نظم۔ صرف و نحو، علوم بلاغت، انشاء و ترسل۔

نثر و نظم کے ضمن میں پرویزیس کی طرح قدیم اور جدید عربی کے زیادہ مشکل انتخابات داخل نصاب کئے جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ طالب علم عربی ادب کے تدریجی ارتقاء سے فی الجملہ مانوس ہو جائے۔

صرف و نحو میں منطقی موشگافی کے بجائے عربی زبان کی بنیادی ساخت سے واقفیت زیادہ اہم ہے پھر بھی ان دونوں موضوعوں پر اگر اردو میں کوئی مناسب کتاب نہ مل سکے تو اصل عربی میں مستند متون درس کے لئے مقرر کئے جائیں۔

علوم بلاغت (معانی بیان بدیع) میں بھی منطقیت کے بجائے ادبیت کو ملحوظ رکھا جائے اور طلبہ پر یہ واضح کر دیا جائے کہ جرجانی کی "اسرار البلاغہ" ہو یا سکاکی کی "مفتاح العلوم" ہمارے اسلاف کو ان کے ذریعہ ارسطو کی "کتاب الخطابۃ" کا جواب لکھنا مقصود نہیں تھا، بلکہ طالب علم کے جمالیاتی شعور کو منظم کرنا تھا کہ وہ عربی ادب کے منثور و منظوم شاہکاروں کی داد دے سکے اور اس ستائش کو چند فنی مصطلحات میں ادا کر سکے۔ پھر اس جمالیاتی شعور کی تنظیم بھی اُن کا مقصدِ اوّلین نہیں تھی، مقصد اوّلین قرآن کے اعجاز کو محسوس کرانا تھا کہ اس کلام کا نظم بشر کی حد وسع سے کہیں بلند تر ہے تاکہ یہ بات مذہبی ایمان کے ساتھ ساتھ عقلی ایقان سے بھی موید ہو جائے کہ قرآن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اختراع و اختلاق نہیں ہے بلکہ "منزل من جانب اللہ" ہے۔ لہٰذا اس کی افادیت شکوک و شبہات سے بلند تر ہے۔

انشاء و ترسل کے ضمن میں ادباء و کتاب کے انشائیوں سے فی الجملہ شناسائی مستحسن ہو گی۔

۳- علوم تاریخیہ و سیاسیہ: اس پرچہ کے دو جُز ہیں۔

(۱) تاریخی ادب، اور (۲) سیاسیات

(۱) جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اب اس باب میں دو رائیں نہیں رہیں کہ مسلمانوں نے اس فن کو حق و تحقیق کے اعلیٰ معیار پر پہونچایا بلکہ اگر ہیروڈوٹس اور چند دیگر یونانی و رومی مورخین سے صرفِ نظر کر لیا جائے تو اس فن کا آغاز مسلمانوں ہی سے ہوا۔ اس کے ساتھ انہوں نے تاریخی تحقیق کے سائنٹیفک اُصول وضع کئے۔ عام سیاسی تاریخوں کے ساتھ انہوں نے اور بھی اقسام کی تواریخ لکھیں اور یہ تاریخی ادب تین قسموں میں تقسیم ہو سکتا ہے:-

وقائع:- یعنی عام تواریخ نیز علاقائی تواریخ۔

سوانح و سیر: مختلف شخصیتوں اور طبقات کے تذکرے۔

تاریخ افکار: مختلف علوم نیز افکار کی تواریخ، کتابیات (BIBLIOGRAPHY)

طلبہ کو ہر صنف کے نمونوں سے آشنا کرایا جائے۔

(ii) اسلام کی سیاسی تفکیر کی ثروت میں چار جماعتوں نے حصہ لیا ہے۔

علمائے دین: ان میں سے دو گروہوں نے خصوصیت کے ساتھ سیاسی تفکیر کے ساتھ اعتناء کیا۔

متکلمین نے مسئلہ امامت کے ضمن میں، اور

فقہاء نے انتظامیات کے ضمن میں جیسے ماوردی کی "احکام السلطانیہ"۔

حکمائے اسلام: یہ حضرات افلاطون کی "کتاب السیاستہ" (REPUBLIC) اور "کتاب النوامیس" (LAWS) کے تراجم سے بہت زیادہ اعتنا کرتے تھے اور اسی سے متاثر ہو کر انہوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں جیسے محقق طوسی کی اخلاقِ ناصری کا آخری مبحث جو سیاستِ مدن پر ہے۔

اربابِ حکومت: بعض وزراء اور دیگر عمالِ حکومت نے اپنے عملی تجارب کی مدد سے آئین و دساتیرِ حکومت مرتب کئے جیسے نظام الملک طوسی کا سیاست نامہ۔

مورخین: مورخین نے تاریخی استقراء کے ذریعے سیاسی و انتظامی اداروں کی تشکیل پر رائے زنی کی۔ یہ تبصرے کبھی منتشر انداز میں لکھے گئے جیسے برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں اور کبھی یک جائی طور پر جیسے طباطبائی نے الفخری کے مقدمہ میں کیا ہے۔ اس سلسلہ کی اہم ترین کتاب ابن خلدون کا مقدمہ ہے، جو فلسفۂ تاریخ کا بجا طور پر سنگِ بنیاد کہلانا چاہیئے۔

بہر حال طلبہ کو ان سب اصناف کے نمونوں سے آشنا ہونا چاہیئے۔

دوم: معقولات (یا علوم حکمیہ): اس میں بھی تین پرچے ہوں گے:۔

۱۔ فلسفہ و حکمت: منطق، الہیات، دیگر علوم حکمیہ، طب

اس سلسلے میں طالب علم کو دو باتوں سے واقف ہونا چاہیئے۔

(i) ہر فن کی اجمالی تاریخ۔

(ii) اُس کے مشاہیر علم برداروں کے اہم فکری خدمات۔

طب ایک مستقل اور عملی فن ہے مگر یہاں صرف ایک علمی سرگرمی کی حیثیت سے اس کا جائزہ لیا جانا چاہیئے۔

۲- ریاضی و طبیعیات: قدیم زمانہ میں ریاضی کے چار جزو تھے: حساب، ہندسہ، ہیئت اور موسیقی۔ آج موسیقی فنونِ جمیلہ میں محسوب ہوتی ہے۔ لہذا اس سے زیادہ اعتنا نہ کیا جائے۔ ہیئت اپنی وسعت کے اعتبار سے مستقل مطالعہ کی مقتضی ہے۔ لہذا اس پرچہ میں ریاضی کے دو شعبوں ہی سے بحث کی جائے یعنی حساب اور ہندسہ سے۔ حساب میں مسلمانوں نے خواص الاعداد (THEORY OF NUMBERS) کے سلسلہ میں جو کچھ کیا، طلبہ کو اُس کے اجمالی تذکرے سے نیز اُن کی الجبرائی کاوشوں کے سلسلے میں دوسرے درجہ کی مساوات کے ساتھ ساتھ تیسرے درجہ کی (اور اعلیٰ درجات کی) مساواتوں سے واقفیت ضروری ہے۔ اس ضمن میں خیام اور کرخی کی تحقیقات سے فی الجملہ آشنائی ہونا چاہیئے۔

ہندسہ کے سلسلے میں ہندسہ مسطحہ (PLANE GEOMETRY) کے ساتھ ساتھ مسلمان فضلاء نے مخروطات (CONIES) اور ہندسہ کرویہ (SPHERICAL GEOMETRY) کے سلسلے میں جو تحقیقات کی تھیں، ان سے بھی طلبہ کو متعارف کرایا جائے۔ ہندسی ابحاث میں سے مثلثاتی مسائل اور اُن کے متعلقات بالخصوص "شکل قطاع" کو اگلے پرچے کے ساتھ رکھا جائے۔

البتہ طبیعیات بالخصوص علم المناظر کو اسی پرچہ میں شامل کر دیا جائے۔

۳- ہیئت و جغرافیہ: اس پرچہ کے دو جُز ہیں ہیئت اور جغرافیہ۔

(۱) ہیئت کا جز کم از کم مندرجہ ذیل مباحث پر مشتمل ہونا چاہیئے۔

علم المثلثات (مستویہ اور کرویہ دونوں) کیوں کہ اس فن کا استخراج ہندسہ سے ضرور ہوتا ہے مگر استعمال ہیئت میں ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی ہیئتی سرگرمیاں۔ محمد بن ابراہیم الفزاری سے لے کر مرزا خیر اللہ بن المہندس تک اجمالی جائزہ، رصدگاہیں، تعمیر، آلات رصدیہ کی اصلاح، ارصاد۔

(۱۱) جغرافیہ کا جُز دو باتوں پر خصوصیت سے مشتمل ہونا چاہیئے۔

مسلمان جغرافیہ دانوں کا اجمالی تذکرہ، اور جغرافیائی مسائل کے ارتقاء میں ان کی خدمات کا جائزہ۔

(ب) عالم اسلام کا علاقائی مطالعہ

عالم اسلام کا مطالعہ چھ علاقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، طالب علم اپنے لئے ان میں سے ایک علاقہ

منتخب کرلے :۔

۱۔ عرب دنیا۔ ۲۔ مصر و مغرب (شمالی افریقہ)۔
۳۔ ترکی اور مشرقی یورپ۔ ۴۔ ایران، وسط ایشیا اور افغانستان۔
۵۔ پاکستان اور برصغیر پاک و ہند۔ ۶۔ ملائیشیا، انڈونیشیا اور چین۔

ہر علاقہ کا مطالعہ مندرجہ ذیل عنوانوں کے تحت کیا جائے گا جنہیں تین پرچوں میں بانٹا گیا ہے۔

(ا) سیاسی حالت

۱۔ سیاسی تاریخ (انقلابِ فرانس سے تا این دم)

الف: انقلابِ فرانس سے پہلی جنگِ عظیم تک۔ (ب) پہلی جنگِ عظیم سے دوسری جنگِ عظیم تک۔
ج: دوسری جنگِ عظیم سے اب تک۔ (د) مشہور تاریخی شخصیتیں۔

۲۔ دستوری تاریخ۔

الف: سیاسی اور جمہوری شعور کی ابتداء اور ترقی۔
ب: دستور اور آئین کا مطالبہ، موانع، مقاومت و قربانی۔
ج: مختلف آئین جو اب منسوخ ہو چکے ہیں۔ (د) موجودہ آئین۔ (ہ) انتظامی مشینری۔
و: سیاسی جماعتیں۔ (ز) مشہور سیاسی شخصیتیں۔

۳۔ بین الاقوامی تعلقات۔

الف: استعمار کے زمانہ میں۔ (ب) استعمار سے نکلنے کی جدوجہد۔
ج: آزادی اور اقوامِ متحدہ کی رکنیت۔ (د) امریکہ انگلستان اور دوسرے سرمایہ دار ممالک سے تعلقات کی نوعیت۔
ہ: روس، چین اور دوسرے کمیونسٹ ممالک سے تعلقات کی نوعیت۔
و: پاکستان اور ہندوستان سے تعلقات کی نوعیت۔
ز: باقی اسلامی ممالک سے تعلقات کی نوعیت۔
ح: تحریکِ وحدتِ اسلامیہ کا آغاز و ارتقاء اور حکومتِ وقت کا اس کے متعلق رویہ۔
ط: فوجی طاقت۔
ی: مشہور سفارتی شخصیتیں۔

(۲) جغرافیائی و اقتصادی حالت :-

۱۔ جغرافیائی جائزہ ۔

الف: محلِ وقوع ۔ (ب) وسعت

ج : طبعی حالات، مشہور دریا، پہاڑ، ریگستان اور جزیرے ۔

د : آب و ہوا ۔ (ہ) انتظامی تقسیم ۔ (و) مشہور مقامات ۔

۲۔ پیداواری جائزہ ۔

الف: نباتات و حیوانات ۔ (ب) زرعی پیداوار

ج : معدنی پیداوار (د) حیوانی پیداوار

۳۔ صنعت و حرفت ۔

الف: دیہی اور چھوٹی صنعتیں ۔ (ب) بڑی اور بھاری صنعتیں ۔

ج : لوہا، کوئلہ، تیل اور قدرتی گیس (د) بجلی کی پیداوار ۔

ہ : ذرائع حمل و نقل (و) کارخانوں کی اقتصادی تنظیم ۔

ز: مزدوروں اور مل مالکوں کے مفاد کا تصادم اور متعلقہ مسائل ۔

ح: ٹریڈ یونین وغیرہ کا نظام ۔

۴۔ تجارت ۔

الف: درآمد ۔ (ب) برآمد ۔ (ج) بینک کاری اور صرافہ کا نظام ۔

د: محاصل، کسٹم، ٹیرف ڈیوٹی وغیرہ ۔ (ہ) اسٹرلنگ اور ڈالر علاقوں سے تجارتی لین دین ۔

۵۔ ملکی دولت ۔

الف: نظام محاصل، لگان وغیرہ ۔ (ب) سرکاری آمدنی اور مصارف ۔

ج : مالیاتِ عامہ ۔ (د) غیر ملکی قرضے ۔

۳۔ مذہبی اور فکری حالت ۔

۱۔ مذہب ۔

الف: مختلف مذاہب اور ان کی آبادی ۔ (ب) مذہبی تحریکیں ۔

ج: مقامی مذاہب اور رسم ورواج کا اسلام پر اثر۔

د: وہابی تحریک۔

ہ: مذہب وسیاست کے امتزاج اور تفریق کی متخالف تحریکیں۔

و: وحدتِ دینی کی تحریک۔

۲۔ تعلیم۔

الف: قدیم تعلیمی نظام۔

ب: دینی مدارس۔

ج: جدید تعلیمی نظام: ابتدائی، ثانوی اور جامعی تعلیم۔ ادارے۔ تعداد طلبہ واساتذہ۔ تربیتی مراکز۔ تعلیمی مصارف۔

د: صنعتی تعلیم۔

ہ: انجنیئرنگ اور میڈیکل تعلیم۔

و: مذہبی تعلیم۔

ز: تعلیمی تحریکیں اور اصلاحات۔

۳۔ زبان وادب۔

الف: مقامی زبان یا زبانیں۔

ب: ادب اور ادبی تحریکیں۔

ج: مشہور ادبار وشعراء۔

د: مشہور علماء ومصنفین اور اُن کی مشہور تصانیف۔

ہ: پریس، اخبارات، رسائل وجرائد۔

و: محکمۂ اطلاعاتِ عامہ۔

چوتھا پرچہ تاریخ وحدتِ اسلامیہ کا ہوگا جو ہر طالب علم کے لئے لازمی ہے۔

○